اسکول، کالج یا پرائیویٹ ٹیم سے نہیں ہاری۔ فرید الحق انصاری (ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے بھانجے) ہاکی کیپٹن تھے اور وہ A.D. MISSION SCHOOL دہلی کے اولڈ بوائے بھی تھے۔

چنانچہ دسمبر ۱۹۱۷ء کی چھٹیوں میں ان کے وسیلے سے ہمارے اسکول کی ہاکی الیون دہلی گئی اور بہشت موری گیٹ میں ڈاکٹر انصاری صاحب کے مکان پر ٹھیری۔ ڈاکٹر صاحب ہمارے اسکول کے PATRON بھی تھے اور ان کے سلسلہ سے عبدالرحمٰن صاحب بنری اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب بجنوری بھی ہمارے اسکول کے PATRONS تھے اور کبھی کبھی اسکول میں آکر ٹھہرتے بھی تھے۔ ۱۹۱۷ء میں دہلی میں اسپورٹ کا چرچہ کم تھا اور اے۔ بی مشن اسکول کی الیون دہلی کی بہتر ٹیموں میں تھی۔ میچ بہت زوروں پر ہوا۔ مشن اسکول کی طرف سے نذر محمد بہت اچھا کھیلے۔ لیکن ہماری الیون کا ہیرو ہمارا سنیٹر ہاف منصب دین شہر نرسنگ پور C.P. کا رہنے والا تھا اور ہم کو ۲-۰ سے کامیابی حاصل ہوئی لیکن دوسرے دن جب اے۔ بی۔ مشن کالج سے کھیل ہوا۔ اور کالج کی ٹیم بہ نسبت اسکول کمزور تھی تو REFEREE کی اشد بے ایمانی کی وجہ سے کھیل ختم ہونے سے پہلے ہار کر گیا۔ اور ٹیمیں واپس ہو گئیں۔

بورڈنگ یعنی کھانے پینے کا انتظام محمد حسین صاحب WARDEN کیا کرتے تھے۔ محمد احمد صاحب کی طرح یہ بھی جالندھر کے رہنے والے تھے۔ جالندھر نے ایک سے ایک نامی CRICKETER پیدا کیے ہیں۔ محمد حسین صاحب نہایت فاسٹ بولر تھے اور اب جب کہ میں ٹسٹ کرکٹ سے بہ خوبی واقف ہوں میرا اندازہ ہے کہ اگر وہ ۱۹۳۳ء یا اس کے بعد ہوتے تو یقیناً وہ ٹسٹ ٹیم میں لیے جاتے۔ لیکن اس وقت ان کی کوئی پوچھ نہ تھی۔ محمد حسین صاحب کا انتظام

اچھا نہ تھا۔ اور لڑکوں کے احتجاج پر پرنسپل صاحب نے KITCHEN اور DINING HALL کا انتظام لڑکوں کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس مد میں شتاق احمد صاحب نے بڑا کام کیا بلکہ ایسا انقلاب ہوا کہ پھر جو غذا ہم کو ملی اس سے بہتر غذا اسکول میں ملنا ممکن نہیں۔ ناشتہ میں دلیا دودھ ۲ انڈے۔ توس مکھن۔ چائے۔ لنچ میں سالن۔ کباب۔ خشکہ یا کھچڑی۔ ترکاری۔ دال چپاتی۔ چائے میں توس۔ مکھن۔ جام۔ جیلی کبھی پیسٹری۔ ڈنر میں قورمہ کبھی مرغ کے ساتھ۔ کباب کبھی کٹلس۔ خشکہ یا پلاؤ۔ ارہر یا دھوئی کی دال۔ چپاتی اور پوڈنگ اور یہ سب اصلی گھی میں اور چاول وغیرہ۔

نوٹ:۔ یہ خط مضمون نہیں ہے بلکہ شتاق صاحب کا ہمارے کیمرج اسکول کے بارے میں ایک مضمون کسی رسالہ میں نکلنے والا ہے اس لیے بطور یادداشت میں نے چند باتیں لکھ دیں کہ شاید ان کی یاد سے رہ گئی ہوں اور کام آجائیں۔ رہا یہ کہ لڑکوں کی پڑھائی سوشل لائف SCHOOL ACTIVITIES EXCURSIONS. وغیرہ وغیرہ تو شتاق صاحب نے بہ کمالِ خوبی اپنے مضمون میں ضرور پیش کیے ہوں گے۔

**ضروری گزارش** حضرات ممبران ادارہ اور برہان کے خریداروں سے گزارش ہے کہ ادارہ سے۔ آپ حضرات کو یاد دہانی کے جو خطوط ارسال کے جاتے ہیں ان پر فوری توجہ فرمایا کریں نیز خطوط ارسال کرتے وقت یا منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور رسالے کے پتے کی چٹ کے خریداری نمبر کا لکھنا نہ بھولیں۔ تاکہ تکمیلِ ارشاد میں تاخیر نہ ہو۔

نیاز مند (منیجر)

# ہندو تہذیب اور مسلمان

بہل } بہل ہندی کا لفظ ہے۔ رتھ کی طرح کی یہ دو پہیے کی ایک بیل گاڑی ہوتی تھی ابوالفضل کا بیان ہے کہ اکبر بادشاہ اس گاڑی کا موجد تھا اور بقول اسکے

"عمدہ اور سبک گاڑی کو بہل کہتے ہیں۔ یہ گاڑی ہموار زمین پر چلتی ہے اور چند اشخاص اس میں بیٹھ کر آرام سے سیر و سیاحت و تفریح کر سکتے ہیں"[1]

مگر بھنڈاری کے بیان سے ابوالفضل کے بیان کی تردید ہوتی ہے۔ کیوں کہ اول الذکر نے لکھا ہے کہ :-

"بہل کا قدیم زمانے سے ہندوستان میں رواج پایا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بہت ممکن ہے کہ اکبر بادشاہ نے اس گاڑی میں کچھ اصلاحیں کی ہوں"

"عرابہ الیست کہ آں را بہل گویند۔ سواری آں خاصہ ہندوستان است۔ درگرمی و سردی و باد و باراں آرام بخش سواران است۔ چہار تن بفراغت سواری شوند گویا در وثاق نشستہ و با وجود سفر

---

[1] آئین اکبری (ات) ج ۱، ح ۱، ص ۲۰۷ (آئین ۳۰)

درحصر ہستند، و با آسایش و آرامش تمام قطع مسافت بعیدی کنند[۱]

بہل دو قسم کی ہوتی تھیں۔ چھتردار، جس کے اوپر چار لکڑیاں یا اس سے زیادہ باندھ کر چھتر کو اس پر آراستہ کرتے تھے۔ اس قسم کی بہل کو "گھر بہل" کہتے تھے اس کے علاوہ سادہ بہل بھی ہوتی تھی[۲]

بالعموم بہل کو دو بیل کھینچتے تھے[۳] لیکن گھر بہل کو تیز رفتار گھوڑے بھی کھینچتے تھے[۴]

بھنڈاری نے لکھا ہے کہ گجرات کے بیل بالخصوص بہل اور رتھ کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ کیوں کہ وہ اپنی تیز رفتاری کے لیے

---

۱ خلاصۃ التواریخ ص ۱۷، نیز عطیہ کبریٰ (قلمی) از خان آرزو۔ ص ۲۴

۲ آئین اکبری (است) ج ۱، ع ۱، ص ۲۸۴ (آئین ۶۵)

بہل کی بناوٹ اس طرح ہوتی تھی کہ ایک کھٹولے کو دو پہیوں پر قائم کرتے پھر اس پر چار ڈنڈے کھڑے کرکے ایک چھتری لگا دیتے اور اس پر پردے کے لیے غلاف ڈال دیا جاتا تھا۔

گذشتہ لکھنؤ۔ ص ۱۰۴ نیز ملاحظہ ہو۔ مثنویات میر حسن دہلوی۔ ص ۱۳۶

HODGES = TRAVELS IN INDIA . P. 31

ہیبر کا بیان ہے کہ بالعموم بہلوں پر سرخ پردے ڈالے جاتے تھے۔ ۱/ص ۲۴۲، ۳۰۳، ۵۸۳

نیز دیکھیے گروس ۱/ص ۱۵۵۔ ٹوئنگ ۱/ص ۱۳۵۔ ۱۳۶

کلیات میر ص ۹۵۹

۳ عطیہ کبریٰ۔ ص ۲۴

۴ آئین اکبری (ا۔ ت) ج ۱، ع ۱، ص ۲۸۴

مشہور تھے[۱] ان بیلوں کے جسم پر جھولیں ڈالی جاتی تھیں۔ ان کے سینگوں کو رنگ دیا جاتا تھا۔ اور سینگوں کے نوکیلے حصے میں سونے کا ملمع منڈھ دیا جاتا تھا[۲]

نظیر اکبرآبادی کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ بہل میں بیلوں اور گھوڑوں کے علاوہ دوسرے جانور بھی جوتے جاتے تھے۔ اس لیے ان جانوروں کے ناموں پر ہی گاڑیوں کے نام رکھ دیئے گئے تھے۔

گھڑ بہل، فیل بہل، شتر بہل، راہ دار ہرنوں کی بہل، بکری بہل، گھنٹے گھنگرو دار
مالک چڑھا جو موت کی ڈولی پہ ایک بار پھر بہلیاں نہ بہل نہ جھنکار نہ پکار[۳]

ہوجز نے شمالی ہندوستان کا دورہ کیا تھا اور اس نے بار بار اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ہندوستان میں بہلوں کا عام رواج تھا[۴] مرد اور عورتیں دونوں اس

---

[۱] خلاصۃ التواریخ ص ۱۷، نیز ملاحظہ ہو، وقائع آنند رام مخلص ۲/ص ۶۰ ب، سفرنامہ آنند رام مخلص ۹/
جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ابوالفضل نے گجراتی بیلوں کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ بہل کشی کے لئے خاص طور پر ان کو استعمال کیا جاتا تھا۔ آئین اکبری (رامت) ج ۱، ج ۱، ص ۲۸۱ - ۲۸۰

اشرف علی خاں فغاں نے بطور لطیفہ حکیم معصوم کو دربار معلیٰ میں "گاؤ گجراتی" سے تعبیر کیا تھا۔ نکات الشعراء - ص ۴۷

[۲] برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ ٹیونگ ص ۱۳۵، ۱۳۶

[۳] کلیات نظیر اکبرآبادی۔ ص ۵۳۷

[۴] HODGES - TRAVELS IN INDIA P.5 (F.N)
نیز ملاحظہ ہو۔ رقعات مرزا قتیل ص ۲۷، ۴۴، گزشتہ لکھنؤ ص ۱۰۴ - ۱۰۳، ضمیمہ مقامات مظہری ص ۱۲، دیوان فائز ص ۲۱۵

پر سفر کرتی تھیں۔[1]

رتھ[2] — رتھ سنسکرت کا لفظ ہے۔ رتھ اس گاڑی کو کہتے تھے جس میں دو یا چار پہیے ہوتے تھے۔

یہ سواری گاڑی ہندوستان کی قدیم ترین سواریوں میں سے ہے، مہابھارت میں بھی اس گاڑی کا ذکر ملتا ہے اور لکھا ہے کہ کوروں اور پانڈوں کے مابین جنگ کے موقع پر کرشن بھگوان ارجن کے رتھ بان کے فرائض انجام دے رہے تھے[3] مرزا قتیل نے رتھ کی بناوٹ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے وہ لکھتا ہے:-

"رتھ کی بناوٹ اس طرح کی ہوتی ہے کہ پتلی لکڑیوں سے جو خوب اچھی طرح تراش خراش کر تیار کی جاتی ہیں، ایک برجی بناتے ہیں۔ پھر اس پر نایاب یا ریشمی کپڑا منڈھ دیتے ہیں اور نچلے حصہ کو، جو نشست کے لئے مخصوص ہے، ریشم کی رنگین ڈوریوں یا بید سے بُن دیتے ہیں اور تینوں طرف چھوٹے چھوٹے دروازے چھوڑ دیتے ہیں یعنی دائیں بائیں اور

---

[1] گذشتہ لکھنؤ ص ۴۰۱-۴۰۲

[2] البیرونی نے اس گاڑی کی وضع کی بڑی دلچسپ داستان لکھی ہے، شطرنج میں رتھ کا نام رخ ہے۔ یونانی اس کو لڑائی گاڑی کہتے تھے۔ یونانیوں کے نزدیک اس کو سب سے پہلے منقالوس نے ایتھنز میں ایجاد کیا تھا اور اہل ایتھنز کہتے تھے کہ اس پر سب سے پہلے ایتھنز کے باشندے سوار ہوئے۔ اس سے قبل افرودسی ہندی نے، جب وہ مصر کا بادشاہ تھا، اس گاڑی کو مصر میں ایجاد کر چکا تھا۔ یہ زمانہ طوفان سے تقریباً نو سو برس بعد کا تھا افرودسی نے ایسا رتھ بنایا تھا جس کو دو گھوڑے کھینچتے تھے۔ بالعموم رتھ میں چار گھوڑے جوتے جاتے تھے کتاب الہند ۲/ص ۱۲۷-۱۲۸

[3] ہندوستان کے راجاؤں کے رتھوں کے تفصیلی بیان کے لئے ملاحظہ ہو۔ ہفت تماشا ص ۱۹-۲۰

سامنے کی طرف، لیکن پچھلے حصے کو جہاں رتھ سوار کے بیٹھنے کے لیے تکیہ ہوتا ہے، رسی یا ریشمی کپڑے کے پردے سے ڈھک دیتے ہیں تاکہ گرنے کا خدشہ نہ رہے۔ اس برجی کو اُن دو گول لکڑیوں کے پہیوں کے ڈھانچے کے وسط پر رکھ کر مضبوطی سے باندھ دیتے ہیں (پہیوں کا) یہ ڈھانچہ اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ دونوں پہیوں کو جن کے درمیانی حصے میں سوراخ کرکے لکڑی کے ایک گول دُھرے پر، جس کے دونوں سروں پر لوہے کے ٹکڑے لگے ہوتے ہیں، اس طرح ملحق کردیتے ہیں کہ ان میں سے ایک پہیہ دائیں اور دوسرا بائیں جانب ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف ایسا نہیں ہوتا کہ ایک پہیہ آگے اور دوسرا پیچھے ہو، اور اس پورے ڈھانچے کو ماہی پشت نما چیز پر رکھ دیتے ہیں جو پتلی لکڑیوں سے تیار کرکے چمڑے سے منڈھی ہوتی ہے اور ان دونوں دائیں اور بائیں پہیوں کے پیچھے متذکرہ پہیوں کی شکل کا ایک دوسرا ڈھانچہ لگاتے ہیں تاکہ چار پہیے ہو جائیں اور بعد ازیں چمڑے سے منڈھے ہوئے اس ماہی پشت نما ڈھانچے کو اس پر اس طرح جما دیتے ہیں کہ ایک سرا آگے کی طرف اور دوسرا پیچھے کی طرف ہو۔ اس ڈھانچے کے اگلے حصے میں ایک جُوا ہوتا ہے کہ صاحبِ رتھ کی سواری کے وقت رتھ بان اس میں دو موٹے بیل جوت دیتا ہے اور راستے پر ہانک دیتا ہے۔ رتھ پر تین آدمی بڑے آرام سے بیٹھ سکتے ہیں۔[۹۱]

اٹھارویں صدی کے بادشاہوں، امیروں اور رئیسوں میں رتھ کی سواری بہت زیادہ ہردلعزیز تھی۔[۹۲] اس عہد کے ادب میں رتھ کی سواری

[۹۱] ہفت تماشا ص ۲۰۔۲۱، گزشتہ لکھنؤ ص ۱۰۴
[۹۲] خلاصۃ التواریخ "رتھ کہ بانواع وآراستگی وپیراستگی قابل سواری ملوک است ہم تو نیہ کرادہ فش تجریہ در نمی آید" ص ۱۷

کا بار بار ذکر ملتا ہے۔ غلام علی نقوی کا بیان ہے۔ کرنال کی شکست کے بعد جب محمد شاہ بادشاہ، نادر شاہ سے ملاقات کرنے گیا تھا، تو وہ رتھ کی سواری پر تھا۔[1] جہاندار شاہ اکثر و بیشتر سیر و تفریح کے لیے رتھ پر سوار ہو کر باہر نکلتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ رات کے وقت لال کنور کی ایک سہیلی کے مکان پر گیا جو شراب فروشی کرتی تھی بادشاہ نے خوب جم کر بادہ نوشی کی اور بچی کھچی رتھ بان کے حصے میں بھی آگئی۔ واپسی کے دوران سفر میں بادشاہ نشے میں دھت بے خبر سو گیا۔ جب محل میں رتھ پہنچا تو ملکہ کی خادماؤں نے اٹھا کر اسے محل کے اندر داخل کر دیا مگر بادشاہ کی کسی نے خبر نہ لی چونکہ رتھ بان بھی نشے میں تھا لہذا اس نے رتھ کو گیرج میں کھڑا کر دیا اور رات بھر بادشاہ اسی رتھ پر سوتا رہا۔[2]

شاہ عالم ثانی کو ناگور کے بیل بہت پسند تھے فراقی کا بیان ہے "بعد طلوع مہر پر سپہر بادشاہ، بیدار شدہ مجرائی حضار پائی تخت گرفتند دو جوڑی نر گاؤ ناگوری آمدہ بود، بہ طالب علی خاں داروغہ اصطبل و گاؤ خانہ امر شد کہ قیمت آں مشخص کنند"[3]

نادر شاہ کے حملے کے بعد دیگر شعبوں کی طرح یہ شعبہ بھی تباہ و برباد ہوا کہ شاہی خاندان کی مستورات جن رتھوں پر سفر کرتی تھیں وہ "رتھ خاص" کہلاتے تھے۔[5]

---

[1] عماد السعادت / ۲۶

[2] خافی خاں ۲/ص ۶۹۰

[3] وقائع عالم شاہی ص ۴۷۔ عہد مغلیہ میں "گاؤ خانہ" کا ایک علیحدہ شعبہ ہوتا تھا۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ آئین اکبری (ا۔ت) ج ۱، ع ۱۔ ص ۲۸۰ ۔ ۲۸۱ تک رسالہ محمد شاہ و خان دوران خاں ص ۱ ب

[5] تاریخ احمد شاہی ۱۲۹ الف نیز ملاحظہ ہو۔ مجموعہ مثنویات میر حسن۔ ۱۲۸، وقائع انندرام مخلص ۲/ص ۶۰ ب۔ چہار گلزار شجاعی "زن در رتھ روانہ شد" ص ۱۹۰ الف گذشتہ لکھنؤ ص ۱۴۴۔ کارنامہ عشق۔ ص ۲ ب وقائع انندرام مخلص ۲/ص ۷۰ ب، ۶۰ ب

نوابین اودھ کے خاص شاہی محلات کی ضرورت کے لیے ہزاروں رتھیں تھیں۔ جس زمانے میں شجاع الدولہ کی اہلیہ بہو بیگم صاحبہ فیض آباد میں بسر کرتی تھیں تو صرف ان کی سرکار میں آٹھ نو سو رتھیں تھیں[1]

نظیر اکبر آبادی نے رتھوں کی یوں تعریف کی ہے:-

تھیں وہ رتھیں کہ بیٹھتے تھے جن جن میں کھیل کھیل
بجتے تھے زنگ اور تھے کلس اُن کے جوں سہیل
رتھ بان نے اجل کے جو ہیں کر لیا دبیل
پھر کس کی چھتری پہیے کہاں اور کہاں کے بیل[2]

تخت رواں:- شاہ جہاں بادشاہ سفر کے دوران میں اکثر تخت رواں پر سوار ہوتا تھا اس تخت کو کہار اپنے کاندھوں پر اٹھا کر لے جاتے تھے۔ یہ تخت اپنی ساخت میں ایک قسم کا مکلف چوبیں بنگلہ ہوتا تھا جس میں روغن کاری اور ملمع ستون اور آئینہ دار کھڑکیاں ہوتی تھیں۔ تیز ہوا اور بارش کے وقت ان کھڑکیوں کو بند کر دیا جاتا تھا۔ یہ تخت چار ڈنڈوں پر جما ہوتا تھا۔ اُن ڈنڈوں کو سرخ بانات یا کمخواب کے کپڑوں سے منڈھ دیا جاتا تھا اور زری اور ریشم کی نہایت کامدار جھالر سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ ہر ایک ڈنڈے کو اٹھانے کے لیے دو کہاروں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ جن کے لباس خوش رنگ ہوتے تھے۔ ان کہاروں کے علاوہ آٹھ اور دوسرے کہاروں کی مدد کے لیے بھی تعینات ہوتے تھے[3] آنندرام مخلص نے تخت رواں کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:-

---

[1] گزشتہ لکھنؤ - ص ۱۰۴

[2] کلیات نظیر اکبر آبادی ص ۵۲۷

[3] برنیر (انگریزی) ص ۲۱۴ - ۲۷۰، گلدستہ منشی چندربھان برہمن ص ۲۱ ب

"عبارت است از آں تخت کہ در سواری سلاطین می باشد و آں مدور ہشتم است : در ہندوستان کہاران بر دوش بر می دارند و نام آں قوم بھوئی است[1] ۔

اٹھارویں صدی کے مغلیہ بادشاہ تخت رواں پر اکثر و بیشتر سوار ہو کر سیر و تفریح کے لیے جاتے تھے اور بعض مرتبہ لمبے سفر کو بھی اسی سواری پر طے کرتے تھے۔ محمد شاہ تخت رواں پر سوار ہو کر گڈھ مکتیسر کی جانب سیر و شکار کے لیے گیا تھا[2]۔ ایک بیان کے مطابق کرنال میں نادر شاہ سے ملاقات کے لیے محمد شاہ تخت رواں پر ہی سوار ہو کر گیا تھا[3]۔

نظیر اکبر آبادی نے تخت رواں کی تعریف میں ذیل کا شعر کہا ہے۔

وہ تخت جس پہ کل تھا جواہر جڑا ہوا　　کہ عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے جابجا[4]

نظیر اکبر آبادی نے ذیل کے اشعار میں ہندوستان کی تمام سواریوں کا ایک جگہ ذکر کیا ہے:-

---

[1] مرآۃ الاصطلاح (ماخوذ از سفرنامۂ مخلص ص ۱۳۲

[2] سفرنامہ مخلص، ص ۲ ۔ وقائع انندرام مخلص ۲/ص ۱۶ الف

[3] سیر المتاخرین (ا۔ت) ۲/ص ۱۰۹ برائے احمد شاہ بادشاہ دیکھیے، تاریخ احمد شاہی ص ۲۴ ب، ۹۲ ب، ۱۱۲ ب

[4] کلیات نظیر اکبر آبادی ص ۵۳۶ شواہد۔ کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ احمد شاہی ص ۲۴ ب

تاریخ شاکر خانی ۲۰۱/، واقعات عالم شاہی/ ۱۶۰ ب، مجموعہ مثنویات میر حسن دہلوی ۱۵۹، ۱۲۲ ۔ شیونگ ص ۱۸۶